تاریخِ طبری کے مآخذ

نوشتہ:- ڈاکٹر جواد علی، عراق اکاڈیمی بغداد
ترجمہ:- جناب نثار احمد صاحب فاروقی، دہلی یونیورسٹی دہلی

(۳)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان مارچ ۱۹۶۵ء

یقیناً اہلِ شام میں ایسے راوی موجود تھے جنھوں نے فتوحات کی اور شام میں امویوں کی تاریخ، اور اُن وقائع کی تاریخ جو امویوں اور اُن کے مخالفین کے درمیان پیش آئے تھے، مرتب کی تھی۔ دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دمشق اور عراق میں عصرِ اموی میں وثائق ودستاویزات دستیاب تھیں[1] یہ بھی بخوبی ممکن ہے کہ متاخر تاریخ نگاروں نے انھیں اپنا ماخذ بنایا ہو، پھر وہ ضائع ہوگئیں، شاید سیاست کو بھی اس میں کچھ دخل رہا ہو، اس نے فراخیِ حوصلہ کا ثبوت نہیں دیا اور انھیں نظر انداز کردیا۔ چنانچہ البلاذری کی تصانیف میں ہم ایسے وثائق کے حوالوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ عوانۃ الکلبی جو کوفہ میں رہنے کے باوجود اہلِ شام سے ربط وضبط رکھتا تھا۔ اور شامی امور میں طبری اس سے بہت کچھ نقل کرتا ہے اور اُسے اِن امور میں خاصی بصیرت حاصل تھی، اکثر مواقع پر طبری نے اس کی اور ہشام الکلبی کی روایات میں، جو اہلِ عراق کا نقطۂ نظر پیش کرتی ہیں، موازنہ کیا ہے۔ ہم ابن ہشام الکلبی کی مؤلفات میں بھی شامی روایات کا اثر پاتے ہیں۔ خصوصاً عوانہ کے طریق پر ـــ کیوں کہ شامیوں کے معاملے میں حضرتِ علیؓ کے ساتھ اس کی طرف داری کا رجحان بالکل نمایاں ہے۔[2]

---

[1] دائرہ/۲۸۸ GROHMANN, ALGEMEINE EEINFÜHRUNG IN DIE ARABISCHEN PAPYRIE 1924. P 27

[2] دائرہ/۲۸۹۔

قدماء مؤرخین میں جو خصوصیت بالکل نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ اُن میں سے اکثر اصحابِ حدیث تھے، چنانچہ وہ اپنی تصانیف میں موضوعاتِ تاریخ سے بحث کرتے ہوئے بھی اسلوبِ محدثین کی پیروی کرتے تھے، اسی لئے "اسناد" کا طریقہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک بہت اہتمام سے جاری رہا۔ حتیٰ کہ محدثوں کی ایک جماعت نے ابن اسحٰق جیسے بعض مؤرخوں پر یہ جرح کی ہے کہ وہ اسناد کے معاملے میں بے پروائی برتتا ہے۔[1]

المدائنی المدائنی (متوفی ۲۲۵ھ / ۸۴۰ء) جو بصرہ اسکول کے مشہور راویوں میں سے ہے، رواۃِ کوفہ و مدینہ اور ابو مخنف کی درمیانی راہ چلا ہے، جو اپنی شدت اور حدیث کا سختی سے اتباع کرنے میں معروف ہیں، اور اس ڈگر سے ایک سوت ہٹنا نہیں چاہتے، اس نے اُن سے عراقی روایات حاصل کیں، اور مذاہب اہلِ مدینہ کے متماثل اصولِ نقد پر انہیں قبول کیا، اور اس طرح ایک اہم ماخذ اپنے بعد آنے والے مؤرخوں کی تصانیف کے لئے فراہم کر گیا۔[2]

المدائنی کو بصرہ اور خراسان کی تاریخ سے بطورِ خاص دل چسپی تھی، اسی لئے طبری نے جہاں کہیں ان دونوں مقامات کے بارے میں لکھا ہے، اس کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے، ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ عباسیوں کے نقطۂ نظر سے متاثر تھا اور اسی مؤثر کے تحت اس نے سقوطِ دولتِ امویہ اور قیامِ دولتِ عباسیہ کا حال لکھا ہے۔[3]

مؤرخینِ بصرہ کا اسکول المدائنی سے اور اہلِ مدینہ کے انداز سے متاثر ہوا، اور یمن سے تجارتی تعلقات کے باعث صنعانیوں سے بھی اثر قبول کیا جو اساطیر اور اسرائیلیات کے لئے معروف ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بہ حیثیتِ مجموعی یہ کوفہ اسکول سے حدت میں نسبتہً کم، مذاہب محدثین سے بمقابلہ اہلِ کوفہ کے زیادہ قریب اور امویوں سے تعصب رکھنے میں اُن سے خفیف ہے۔

اہلِ حدیث، اہلِ اخبار اور اہلِ تاریخ کے طریقِ روایت میں ہم جو مشابہت پاتے ہیں، اسے خاور شناسوں کی ایک جماعت نے، جس نے عربوں میں فنِ تاریخ نویسی کے ارتقاء پر ریسرچ کی ہے، یہ کہہ کر دور کرنا چاہا ہے کہ تاریخ دراصل علمِ حدیث ہی کی پیداوار ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عربوں کی تاریخ سیرۃ اور مغازی سے پیدا ہوئی ہے۔

---

[1] دائرہ/ ۴۹۰۔

[2] WELLHAUSEN : THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL PP. VII FF.

تاریخ بغداد ۱۲/ ۵۴، یاقوت: الارشاد ۵/ ۳۰۹۔

[3] WELLHAUSEN : THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL. FF. VII

حالانکہ سیرۃ ومغازی کی کتابیں، کتبِ حدیث کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اور یہ حدیث ہی کے ابواب میں سے ایک باب ہیں، ان مستشرقین کی دلیل اپنے قول پر یہ ہے کہ کتبِ تاریخ، حدیث کی کتابوں کے بعد ظاہر ہوئی ہیں اور عربوں کو بداوت کے زمانہ میں کتبِ تاریخ کی تدوین کا خیال نہیں آسکتا تھا۔

صدرِ اسلام کی تالیفات | ہم مصادرِ تاریخِ طبری کے مطالعے کے دوران میں دیکھیں گے کہ اس رائے پر دلیلیں کمزور ہیں، تاریخ اور حدیث کے طریقِ روایت میں تشابہ اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ تاریخ حدیث ہی کی ایک فرع ہے، ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تاریخ حدیث سے زیادہ قدیم ہے، لوگ پہلے بھی وقائع جمع کرتے تھے، اور انھیں تاریخ الماضیین کا نام دیتے تھے۔ پھر خلفا کے حدیث کی طرف میلان نے اُنھیں اِدھر متوجہ کردیا۔ اس موضوع پر کتابیں مرتب بھی ہوئیں جو افسوس ہے کہ ضائع ہوگئیں، بالکل اسی طرح جیسے حدیث کی اکثر کتابیں جو عہدِ اموی میں تالیف ہوئی تھیں، اب ناپید ہوچکی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ روایت جو صدرِ اسلام کے عربوں کو ترجمہ وتصنیف وتالیف سے بالکل نابلد بتاتی ہے اور صدرِ دولتِ عباسیہ کو عربوں کے علم وثقافت کا مبدأ قرار دیتی ہے، ایسی روایت ہے جس میں سیاسی مقصد غالب ہے اور اُسے پروپیگنڈے نے وضع کیا ہے، غالباً یہی پروپیگنڈا تاریخ کی اُن کتابوں کے ضائع ہونے کا ذمہ دار ہے، جو اس خلافت کے قیام سے پہلے لکھی گئی تھیں۔

ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اسلام کے وقائع پر جو کتابیں لکھی گئیں اور جو کتابیں دولتِ امویہ کے زمانۂ اقتدار میں مرتب ہوئیں یا جو کتابیں خلفائے بنی امیہ کے ایما سے تالیف کی گئیں یا بعض خاندانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اُن کے قبیلے کی مدح میں تصنیف ہوئیں، اُن کے ساتھ وہی سب کچھ ہوا جو تمام انسانوں میں اور تمام قوموں میں ہوتا آیا ہے، جو لوگ تاریخِ عرب کو اس کے سوا کسی اور نہج پر موڑنا چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، کیوں کہ انسان بہرحال انسان ہے اور اس کی تاریخ بھی انسان ہی کی تاریخ ہے نہ اس سے کم ہوسکتی ہے نہ زیادہ۔

تیسری صدی ہجری میں کچھ ایسے مؤرخ پیدا ہوئے جنھوں نے اُس رجحان کو محسوس کرلیا جو مدّت سے ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا، یعنی دنیا کی ایک عام تاریخ لکھی جائے جس میں پچھلے مواد سے استناد کیا جائے اور اس مواد سے بھی جس کے بارے میں ہم اصل موضوع یعنی تاریخِ طبری کے مآخذ سے بحث کرتے ہوئے

وضاحت کریں گے۔

چنانچہ تاریخِ عام کے موضوع پر ایسی کتابیں ظاہر ہوئیں جو آغازِ آفرینش سے شروع ہوتی ہیں، پھر ان میں دوسری قوموں کی تاریخ، خصوصاً روم اور رومیوں کی، بالاختصار بیان کی گئی ہے، لیکن زمانے نے ان میں سے اکثر کو ضائع کر دیا۔ مؤرخوں کی معلومات اس سلسلہ میں کافی نہیں تھیں، یہ کتابیں فہمِ تاریخی کی حقیقی صلاحیت پر بھی دلالت نہیں کرتیں، پس جو کچھ تاریخِ عالم کے ذیل میں لکھا گیا، وہ تاریخ کے مرادی معنوں میں "کون دخلق" کا بیان نہیں تھا، پھر یہ تاریخ تمام اقوامِ عالم کی سرگذشت سے بھی کچھ زیادہ سروکار نہیں رکھتی، بلکہ مؤرخوں نے تاریخِ اسلام کے سلسلے میں اپنی آگاہی کا حصر کرنے کی کوشش کی ہے۔[1]

تاریخِ طبری بہترین کتاب جو زمانے کے تھپیڑوں سے بچ گئی اور جو متفرق موضوعات مثلاً لغۃ و ادب، سیرۃ تاریخِ احداث، تاریخ الخلفاء، تفسیر وحدیث وغیرہ کی جامع ہے اور ان کے بارے میں قابلِ استناد مواد رکھتی ہے اور یہ سارا مواد اُس نے اپنے اندر سمو لیا ہے نیز ہمارے لئے اُن کتابوں کے اقتباسات بھی محفوظ کر لئے ہیں جنھیں زمانے نے فنا کر دیا۔ وہ کتاب "تاریخ الامم والملوک"[2] یا تاریخ الرسل والملوک یا اخبار الرسل والملوک ہے جو ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے۔[3] اس میں مؤلف نے مختلف تاریخی روایات نہایت ہنرمندی اور سلیقے کے ساتھ جمع کی ہیں۔ ہر روایت کو اس کے ناقل کی طرف منسوب کیا ہے اور حاشیہ آرائی کا کام قاری پر چھوڑ دیا ہے کہ چاہے وہ حق میں فیصلہ کرے یا خلاف کرے۔

---

[1] دائرہ/۴۹۱ - ان میں احمد بن ابی یعقوب بن واضح العباسی بھی ہے جو الیعقوبی کے نام سے مشہور ہے، اس نے ۲۷۸ھ میں وفات پائی اس کی تاریخ مستشرق ہوتسما (HOUTSMA) نے ۱۸۸۳ء میں دو جلدوں میں چھپوا دی ہے۔ [2] دائرہ/۴۹۱ -

ENCY. OF ISLAM VOL 4 P 479, BROCKELMANN, G.A.L. VOL I P 142, SUPPL. VOL I, P 217, WENSINCK: HANDWORTERBACH DES ISLAM P 710 -

[3] راجع عن الطبری : یاقوت : الارشاد ج ۶/۴۲۳ فما بعد -

السبکی : الطبقات ۲/ ۱۳۵ فما بعد -

الذہبی : تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۲۵۱ فما بعد -

الخطیب : تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۲ فما بعد -

السمعانی : کتاب الانساب ورق ۳۶۷ - الف -

ابن خلکان : الوفیات ۲/ ۵۷۷ -

ابن الندیم : الفہرست (طبع FLÜGEL) ص ۲۳۴ - ۲۳۶ (وغیرہ)

الطبری نے اپنی کتاب کی ہر فصل میں جن مراجع پر بھروسہ کیا ہے اُن میں کچھ تو وہ زبانی روایات ہیں جو کہن سال بزرگوں سے اُسے پہنچیں، اور کچھ اُن روایات کی بنیاد پر لکھی ہوئی تالیفات ہیں جن سے الطبری نے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح اُس نے بہت سے مصادر سے اپنی کتاب کا مواد فراہم کیا ہے اور اُن مصادر کو باہم مربوط کرنے میں' نیز اپنی تاریخ سے قبل لکھی ہوئی کتابوں سے واقفیت حاصل کرنے میں اُس نے غیر معمولی مہارت کا ثبوت دیا ہے، اسی طرح اس نے اپنی دوسری کتابوں میں، مثلاً تفسیر موسومہ "جامع البیان فی تفسیر القرآن"[۱] میں جو تیس جلدوں کی ضخیم کتاب ہے' یا اپنی "کتاب اختلاف الفقہاء"[۲] میں اسی قدرت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ جس سے علوم میں اس کے تبحر اور وسعتِ معلومات' اور اس کام میں دیدہ ریزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہی خصوصیات وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر علماء اس کی کتابوں کو وقعت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

تفسیر طبری | تفسیر الطبری معلومات کا ایک ایسا بھرپور خزانہ (انسائیکلوپیڈیا) ہے، جو اس کے علم و فضل کی گواہی دیتا ہے، اس کی تالیف میں اس نے "تفسیر بالعلم" کا طریقہ اختیار کیا ہے[۳] یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس نے یا تو صحابہ اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کیا ہے۔ یا جو کچھ ان سے منسوب ثابت ہوا ہے، اس کی نظر میں صحیح تفسیر کی یہی علامت ہے، "تفسیر بالرأی" سے وہ اجتناب کرتا ہے۔ اور ایسے مفسروں پر جو ملامت کی جاتی ہے

---

[۱] "جامع البیان فی تأویل القرآن" قاہرہ ۱۳۲۱ھ (مطبع میمنیہ) "المیمونیہ" ۱۳۲۱-۱۳۳۰ھ (المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق) یا "جامع البیان فی تفسیر القرآن" قاہرہ ۱۳۳۱ھ

H. HAUSLEITER: REGISTER ZUM QORANKMT. DES TABARI STRASSBURG (1912)

O. LOTTS: TABARI'S KOM ZDMG 35, P. 588-628 (1881

NÖLDEKE: GESCH. DES QORAN VOL. 2 P. 171

اس تفسیر کا فارسی ترجمہ منصور بن نوح سامانی کے حکم سے ہوا تھا۔

GRUNDRISS DER IRAN. PHILO. VOL 2 P 366

STOREY: PERSIAN LITERATURE VOL 1.

المذاہب الاسلامیۃ فی تفسیر القرآن ص ۸۴ و بعدہ۔

[۲] F. KERN: ZDMG 55 PP. 61-95 طبع قاہرہ ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء

[۳] المذاہب الاسلامیۃ ص ۸۶ جلد ۱/ ۱۳۲ (اہل العلم) (اہل علم اور اُن لوگوں کے درمیان اختلاف جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں) ۱۲۰/ ۱۲۹، ۱۰۳۔

اس سے خود کو محفوظ رکھتا ہے، اسی لئے اس کی تفسیر اسانید اور روایات کا ایک سلسلہ ہے جو علماء سے منتقل ہوا ہے، چناں چہ جب اس نے اُن کے امکانِ روایت پر پورا اطمینان کرلیا ہے تب انھیں اپنی تفسیر میں مدوّن کردیا[1] البتہ وہ ان کے بارے میں اپنی رائے بھی تعلیقات کے طور پر صراحت سے پیش کرتا ہے اور اس حالے میں وہ ابن عباس[2] کی روایات کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

الطبری آیاتِ قرآنی کے ظاہری معنوں کو دیکھتا ہے، اگر وہ واضح ہوں تو اُن کی تفسیر میں کچھ بیان نہیں کرتا، اگر کچھ مبہم ہوں اور تفسیر کا مطالبہ کرتے ہوں تو وہ قدیم روایات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ اسلاف نے اُن کے بارے میں کیا کہا ہے[3] یا پھر لغت سے مدد لے کر ان کا ابہام دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے لئے قدیم شاعری کے شواہد سے یا ایسی اسناد سے رجوع کرتا ہے جیسا کہ ابن عباس کیا کرتے تھے[4]۔

یہی سبب ہے کہ تفسیر الطبری میں بہت سے وہ لغوی مسائل بھی آگئے ہیں جن میں کوفے اور بصرے کے نحویوں کا اختلاف رہا ہے، اور بہت سی وہ اہم اور نادر مثالیں بھی اُن اختلافات کی محفوظ ہوگئیں جو کوفیوں اور بصریوں میں تھے[5]۔

طبقۂ علماء میں اس تفسیر نے بڑی شہرت حاصل کرلی، حتیٰ کہ ابوحامد الاسفرائینی (متوفی ۴۰۶ھ) کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ "اگر کسی شخص نے ملک چین کی آخری حد تک ابن جریر کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تو یہ کچھ بڑی بات نہیں"[6] اس تفسیر کی شہرت نے تقریباً اجماع کا مرتبہ حاصل کرلیا یا اس کے برابر سمجھی جانے لگی۔ اس میں شک نہیں یہ کتاب مواد سے پُر ہے، حوالوں سے مالامال ہے اور بہت سے معارف کو محیط ہے، نیز اس میں ایسے مآخذ کے اقتباسات موجود ہیں جو کسی دوسری کتاب میں اتنی کثرت سے نہیں ملتے، لیکن یہ حقیقت ہمیں اس امر کے اظہار سے نہیں روکتی کہ اس میں تقلید کا پہلو تجدید پر بھاری ہے، اور مواد کا حصہ رائے پر غالب ہے۔

---

[1] GOLDZIHER : DIE RICHTUNGEN DER ISLAMISCHEN KORANAUSLEGUNG, UNG, LEIDEN 1920 PP 85-98 المذاہب الاسلامیہ ص ۸۶ -

[2] المذاہب الاسلامیۃ ص ۸۷ (وہ مجاہد کے بارہ میں جو ابن عباس کے راویوں میں سے ہیں کہتا ہے: "اس کی رائے اُن لوگوں کے اجماع کے خلاف جاتی ہے جن کی طرف کذب کی نسبت ممکن نہیں"۔ "یا یہاں مجاہد کی روایت سے جو کچھ کہا گیا وہ بے معنی بات ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس کی رائے فاسد ہے۔"

[3] المذاہب الاسلامیۃ ص ۸۸ ج ۱/۵۹، ۱۱۲، ۳۰۶، ۳۰۷، جلد ۲/۲۰۹ جلد ۲۵/۱۲ - سورۃ الشوریٰ آیۃ ۴۵

[4] المذاہب الاسلامیۃ ص ۹۱ - ج ۱/۱۲۴ - یاقوت: الارشاد ۶/۴۳۲ -

[5] المذاہب الاسلامیۃ ص ۹۲ - [6] یاقوت: الارشاد ۶/۴۲۴ لسان المیزان ۵/۱۰۲ -

نیز اس میں مثبت تنقید اور اس اجتہادی نظر کا بھی فقدان ہے جو مسائل کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔[1]

اختلاف الفقہاء | الطبری نے اپنی کتاب "اختلاف الفقہاء"[2] میں بھی یہ رویّہ اختیار کیا ہے، وہاں اس نے فقہاء کے اقوال کو اس طرح پیش کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعات کی کھتونی بنانے کا کتنا حریص ہے، اس سے فقہ میں اس کی وسعتِ علمی ظاہر ہوتی ہے اور اس سے دوسری کتابوں میں غلطی کا امکان بھی کم ہو جاتا ہے، لیکن اس نے اس میں طریقۂ استناد پر سختی سے کاربندی نہیں کی ہے نہ وہ قواعدِ روایت کا پورا پورا پابند رہا ہے۔ چنانچہ وہ صاحبِ قول کا نام نقل کرنے کے بعد بے تکلف اس میں اضافہ بھی کردے گا مثلاً کہے گا: وقال أبو ثور یا وقال الأوزاعی یا وقال مالك بن أنس، پھر قول کے آخر میں اس کے راوی کی نشان دہی کرے گا۔ مثلاً: حَدَّثَنِی بِذٰلِكَ العبّاسُ عَنْ أَبِیهِ عَنْه یا "حُدِّثْتُ بِذٰلِكَ عَنْ مُعاوِیَة عَنْ أَبِی إسْحٰق عَنْه" یا "حَدَّثَنا بِذٰلِكَ الرَّبیعُ" لیکن وہ امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کے بارے میں اس طریقے کی پابندی نہیں کرتا[3] اور ابو ثور[4] کے اقوال کی نسبت اس نے اسناد کا قطعاً التزام نہیں کیا ہے[5]۔ محدثین کی نظر میں اس کا یہ عمل جرأت کا نشان سمجھا جاتا ہے، یہ بجائے خود اس صدی میں بہت بڑی تبدیلی تھی جو رونما ہوئی، اس کتاب میں جن رجال سے اس نے روایت کی ہے اُن میں یونس بن عبد الاعلیٰ (متوفی ۲۶۴ھ)

---

[1] ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM VOL 4 P 578

[2] کتاب اختلاف الفقہاء" قاہرہ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) طبع KERN - جوزف شاخت نے "کتاب الجہاد و کتاب الجزیۃ وأحکام المحاربین من کتاب إختلاف الفقہاء" میں آستانہ کے قلمی نسخے سے فائدہ اٹھایا ہے۔ (بریل لیدن - ۱۹۳۳ء) ملاحظہ ہو مستشرق کیرن KERN کے تعلیقات بسلسلہ کتاب اختلاف الفقہاء "مجلۃ الجمعیۃ الشرقیۃ الالمانیۃ" ۱۹۰۱ء ZDMG . 1901 P. 61 FF

اسی طرح جوزف شاخت کی تحقیق اکادمی بروسیہ ۱۹۲۸ء میں: ABH. PREUSS. AKAD. 1928 , PHIL. HIST. KLASSE. NR. 8 NR. 22

[3] کتاب الجہاد، (مقدمہ جوزف شاخت) ص ۲۲-۱۸ - (LEIDEN, 1933) WENSINCK P. 410

[4] مقدمہ شاخت P. XVIII - [5] ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الفقیہ الکلبی، انھوں نے امام شافعی سے اخذ کیا۔ اور ان سے روایت کیا اور اُن کی مخالفت بھی کی - انھوں نے مذہب شافعی سے ایک اور نیا مذہب نکالا - امام شافعی کی کتابوں کی ترتیب پران کی بھی ایک مبسوط کتاب ہے - آذربائیجان اور ارمینیا کے اکثر لوگ ان کے مذہب پر ہیں۔ سنہ ۲۴۰ھ میں وفات ہوئی - ان کی تالیفات فقہ میں ہیں - الفہرست / ۲۹۷ -

بھی ہیں۔ یہ مصر کے ممتاز عالم اور فقیہ تھے[1] اور امام شافعی کے رواۃ میں سے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الطبری اُن سے قیامِ مصر کے زمانے میں متعارف ہوا ہوگا۔ الطبری نے مالک بن انس رضہ کے اقوال کی روایت میں انھیں پر بھروسہ کیا ہے۔ وہ دو[2] طریقوں سے روایت کرتا ہے: طریقِ اشہب عن مالک اور طریقِ عبداللہ بن وہب (متوفی ۱۹۷ھ) جو مالک کی سنن اور مؤطا[2] نیز دوسری کتابوں کی روایت کے طریقے ہیں۔ اور اس نے اپنی کتاب میں کچھ ایسے ٹکڑے بھی دیئے ہیں جو مالکؒ کی دوسری معروف کتابوں میں نہیں ملتے اور اُن اقتباسات سے امام مالکؒ کے مذہب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بظاہر الطبری سحنون (متوفی ۲۴۰ھ) کی کتاب "المدوّنۃ الکبریٰ" سے بے خبر ہے[3] حالانکہ یہ فقہ مالکیہ کی اہم کتابوں میں سے ایک ہے، یہی سبب ہے کہ اس کتاب کا کوئی اقتباس الطبری کے ہاں نہیں ملتا[4]۔

الطبری نے الاوزاعی کی فقہ روایت کرنے میں جس سے شہر بیروت میں قیام کے زمانے میں وہ متعارف ہوا ہوگا۔ دو عالموں پر اعتماد کیا ہے، یعنی العباس بن الولید بن مزید (متوفی ۲۶۹ھ)[5] عن الاوزاعی اور معاویہ عن ابی اسحٰق الفزاری اور اسی معاویہ سے الطبری نے سفیان الثوری کے اقوال لئے ہیں، گو وہ بھی فی الجملہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ۲/۸ (ابن عیینہ اور ابن وھب سے روایت کیا) الشذرات ۲/۱۴۹۔ الوفیات ۲/ ۵۵۳۔

[2] الفہرست/ ۲۸۱۔ ENCY. OF ISLAM V. 3 P 207 ۔ ابو محمد عبداللہ بن وھب الفہری
"ولادت ۱۲۵ھ" ابن جُریج سے روایت کیا مالک اور اللّیث سے علم فقہ حاصل کیا۔ ان کی کثیر تصانیف ہیں۔
الشذرات ۱/ ۳۴۸۔
WENSINCK UND KRAMERS: HAND WÖRTER BUCH DES ISLAM LEIDEN 1941 P. 410
اشہب بن عبدالعزیز ابو عمرو العامری مالک کے دوست تھے ۱۸ شعبان ۲۰۴ھ کو انتقال کیا۔ الشذرات ۲/ ۱۲

[3] الشذرات ۲/ ۹۴۔ WENSINCK: PAGE 211 - ENCY OF ISLAM V. 3 P. 207
برائے سحنون عبدالسلام بن سعید بن حبیب التنوخی، دیکھئے ضحی الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و بعد۔ نیز الیافعی: المرآۃ ۲/۱۵۱

[4] کتاب الفقہاء XIX - BROCKELMANN : SUPPL. VOL. 1 P. 299

[5] ان کا سالِ وفات ۲۷۰ھ اور ۲۷۱ھ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ تہذیب التہذیب ۵/ ۱۳۲۔ الشذرات ۲/ ۱۶۰
نیز کتاب الفقہاء XIX وبعد DE GOEJE: ANNALES INTRODUCTIO P. LXIX
ابو جعفر الطبری نے بیروت میں سات راتوں تک قیام کیا، وہ جامع مسجد میں رات گذارتا تھا اور اس روایت کی رو سے اُس نے العباس بن الولید کے سامنے اس عرصے میں پورا قرآن ختم کیا تھا۔ P. LXXII

الاوزاعی[1] ہی کے اقوال ہیں - اور ایک دوسرے شیخ سے جن کا سلسلۂ روایت یوں ہے: علی عن زید[2] ان کے اقوال اکثر ایک ہی روایت میں آتے ہیں اور اُن میں شاذ ہی اختلاف ہوتا ہے[3]

لیکن امام الشافعیؒ کی فقہ اس نے اپنے شیخ الربیع بن سلیمان المرادی (متوفی ۲۷۰ھ)[4] سے حاصل کی ہے - اور اُن سے الطبری زمانۂ قیامِ مصر میں ملا تھا - لیکن امام الشافعی کی کتاب الاُم[3] کا کوئی حوالہ تاریخ الطبری میں نہیں آیا، اس سے یہی متبادر ہے کہ وہ اس کتاب کے نام سے واقف نہیں تھا۔[5]

امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب: ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) اور محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) جو مذہبِ حنفی کے کبارِ رجال میں سے ہیں، ان کی فقہ کا علم اس نے زیادہ تر الحسن بن زیاد اللؤلؤی (متوفی ۲۰۴ھ)[6] یا اُن کے تلامذہ سے اور ابو سلیمان[7] الجوزجانی (الجرجانی) سے جو محمد بن الحسن کی کتابوں کے راوی ہیں، حاصل کیا تھا - اُن کے اکثر اقوال الطبری نے اسناد کے ساتھ پیش کئے ہیں -

---

[1] الفقہاء XX و بعد - سفیان الثوری، یعنی سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ابو عبد اللہ الکوفی متوفی ۱۶۱ھ (تہذیب التہذیب ۱۱۴/۴ و تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹۰) ابراہیم بن محمد بن الحارث ابو اسحٰق الفزاری الکوفی متوفی ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے اصطرلاب بنایا اور اس کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب بھی ہے - یہ کتاب السیر کے مصنف ہیں، الشافعیؒ کا قول ہے کہ سیر میں ان کی تصنیف بے مثال ہے (تہذیب التہذیب ۱/۱۵۲-۱۵۳ - تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۱) معاویہ بن عمرو بن المہلب الازدی کا انتقال ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں ہوا - انھوں نے ابو اسحٰق الفزاری کی کتاب السیر روایت کی تھی - (تہذیب التہذیب ۱۰/۲۱۶) [2] الفقہاء XIX - [3] الفقہاء XXI -

[4] الفہرست/۲۹۷ - ENCY. OF ISLAM V. 4 P. 253 - الشذرات ۲/۱۵۹، الوفیات ۱/۲۲۹ -

[5] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا نام بعد میں رکھا گیا - ملاحظہ ہو - WENSINCK P. 660 یہ قاہرہ میں ۱۳۲۱ھ و ۱۳۲۵ھ کے مابین چھپی ہے -

[6] الحسن بن زیاد اللؤلؤی ابو علی، اصحاب ابی حنیفہ میں سے ہیں - اُن سے انھوں نے حاصل کیا اور روایت کیا، ابو حنیفہ کے مذاہب الرائے کے بارے میں یہ بڑے عالم تھے، ان کی کتابوں میں ایک کتاب المجرد ہے - جس کی روایت ابو حنیفہ سے ہے، دوسری کتابیں یہ ہیں: کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، - ملاحظہ ہو، الفہرست/۲۸۸ و الشذرات ۲/۱۲ -

[7] انھوں نے محمد بن الحسن سے روایت کیا، ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے - مگر انھوں نے محمد بن الحسن کی کتابوں کی روایت کی ہے - الفہرست/۲۹۰ - عقد الجواہر ۲/۱۸۶ (متوفی بعد ۲۸۰ھ) الجوزجانی ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان (متوفی بعد ۲۸۰ھ)

BROCKELMANN, SUPPL. I PP. 291-292 —

طریقِ اسناد جتنا تساہل کتاب اختلاف الفقہاء کی اسناد میں ملحوظ رکھا گیا ہے اُتنا ہی اہتمام اور تشددہمیں "کتاب الامم والملوک" کی اسناد میں ملتا ہے، جس میں اہل الحدیث کے طریقے پر روایت کی پختگی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس میں حوادث کا آغاز پہلے سند کے ذکر سے ہوتا ہے مثلاً کہے گا: "مجھ سے بیان کیا ابن حمید نے، کہا مجھ سے بیان کیا سلمہ نے، کہا مجھ سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے اُن سے نافع نے ان سے ابن عمر نے، کہا ......"

یا "ہم سے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے، کہا ہم سے بیان کیا ایوب بن سوید نے ان سے الاوزاعی نے، کہا ہم سے بیان کیا اسماعیل بن عبداللہ نے کہا انس بن مالک الولید بن عبدالملک کے پاس آئے تو الولید نے ان سے کہا..."

یہ صیغے محدثین میں بہت مقبول رہے ہیں، کیوں کہ یہ متصلۃ السند ہیں اور ان میں کوئی فصل یا قطع نہیں ہے۔ وہ بھی ساری کتاب میں اسی طریق پر چلا ہے، سوائے ایک دو مقامات کے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے وہ واقعہ اس سلسلۂ روایت سے اخذ نہیں کیا۔ بلکہ یا تو اس نے بعض کتابوں سے اخذ کیا ہے یا اجازۃ بالروایۃ کے طریقہ پر لکھی ہوئی کتب سے لیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسی روایتوں کا ذکر کیا ہے، جو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور ایسی روایات میں وہ محدث کا نام اکثر گول کر جاتا ہے، مثلاً "فلاں سے بیان کیا گیا..... اس نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا....." یا "فلاں سے بیان کیا گیا، اس نے کہا....." ان صیغوں کو اس نے تاریخ ایران میں بہت استعمال کیا ہے اور یہ نسبتہً ہشام بن کلبی کے اقوال سے زیادہ ہوگیا ہے[۱] یہ ظاہراً اس نے ہشام کی کتابوں سے اخذ کیا ہے ورنہ وہ دوسرے مقامات پر اُن راویوں کے نام بتاتا ہے۔ جنھوں نے اس سے بیان کیا ہو، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔

اور اپنی کتاب کے آخری اجزاء میں اس نے ایسے صیغے استعمال کئے ہیں: "مجھ سے میرے دوستوں میں سے کسی نے بیان کیا....." یا "مجھ سے میرے دوستوں کی ایک جماعت نے بیان کیا....." یا "ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے بچشمِ خود دیکھا تھا......" یا "مجھ سے بیان کیا جماعت اہل ..... نے یا مجھ سے "باخبر لوگوں کی ایک جماعت نے بیان کیا......" یا "مجھ سے یہ قصہ میرے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا جس نے ایسے شخص سے روایت کیا جو موقع پر موجود تھا......" یہ ایسے صیغے ہیں جو یقیناً سند میں تساہل

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ طبری کا متعلقہ حصہ۔

کی غمازی کرتے ہیں اور لازماً اس کا کچھ سبب رہا ہوگا۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان صیغوں کو وہ اپنی تاریخ کے آخری حصوں میں استعمال کرتا ہے، یعنی اُن حوادث کے بیان میں جو اس کے زمانے سے کچھ پہلے یا اُسی کے زمانے میں واقع ہوئے۔ شاید اس نے اپنے راوی احباب کی مرضی سے ہی ایسا کیا ہو یا اُن لوگوں کے خوف سے جو ان حوادث میں شامل تھے جن حوادث کا سیاستِ عامہ سے علاقہ تھا۔

اسناد اور مراجع کتابی | اور کبھی اس نے ایسے صیغے بھی استعمال کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خود مولفوں نے بلا واسطہ اس سے بیان کیا ہوگا۔ مثلاً "ابن الکلبی نے کہا ......" یا "محمد بن اسحٰق نے کہا......" یا "الواقدی نے کہا......" وغیرہ یہ ایسے صیغے ہیں جو زمانۂ آخر کے مصنفوں کے ہاں استعمال ہوتے ہیں۔ جنھوں نے سلسلۂ اسناد کی پابندی نہیں کی یا سختی سے سند روایت پر کاربند رہنا اُن کی عادت نہیں رہا۔ مثلاً احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (متوفی ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء) اپنی گراں قدر کتاب انساب الاشراف[1] میں کہیں تو سند کی پابندی کرتا ہے۔ کہیں یہ التزام چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ فی الواقع اُن اوّلین مؤرخوں میں سے ہے جنھوں نے سیرۃ کے پھیلے ہوئے مواد اور دوسرے مصادر کے بیانات میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اُن کا اختلاف دور ہو کر وہ ایک استوار روایت بن سکیں[2]

چوں کہ روایت کا یہ طریقہ الطبری نے اپنی تاریخ کے لئے پسند کیا، اور روایت میں کتابوں کے ناموں کا بالالتزام ذکر نہیں ہوا ہے، بلکہ راوی کا نام ہی اس کی کتاب کا قائم مقام ہو گیا ہے، اس طریقے میں جو غلطیاں ہیں اُن کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں الطبری اپنے اُن مراجع کتابی کا ذکر کرنے سے اعراض بھی کرتا ہے جن پر اس نے بھروسہ کیا ہے۔

---

[1] اس کی تصانیف میں فتوح البلدان، دی غوے کی کوشش سے چھپ چکی ہے۔

LIBER EXPUGNATIONIS REGIONUM ANCTORE AL BELADSORI QUEM.

EDIDIT M.J. DE GOEJE, LEIDEN, 1866, نیز طبع قاہرہ ۱۳۱۸ھ

کتاب انساب الاشراف بھی چھپ گئی ہے۔ اسے عبرانی یونیورسٹی نے چھاپا ہے اور "غوتاین" نے ایڈٹ کیا ہے۔

[2] دائرۃ المعارف الاسلامیہ / ۱/ ۴۹۱۔ (نیز ملاحظہ ہو یاقوت: الارشاد ۲/ ۱۲۷)

اس نے صرف معدودے چند مقامات پر اس قاعدے سے روگردانی کی ہے، مثلاً جہاں اُس نے عمر بن شبۃ البصری الاخباری[1] (متوفی ۲۶۲ھ) کی روایت سے ایک حکایت بیان کی ہے، یہ اخباریں متعدد کتابوں کا مؤلف ہے۔ جن میں کتاب الکوفہ، اور کتاب مکہ بھی شامل ہیں۔ اس کی تالیفات طبری کے مآخذ میں شامل ہیں اور وہ اُن کے اقتباس دیتا ہے، "مجھ سے عمر نے ایک دوسرے موقع پر اپنی کتاب میں بیان کیا جس کا نام اس نے کتاب اہل البصرہ رکھا ہے اور کہا......"[2]

اگرچہ ایسے مقامات ان اصولوں کی نسبت جن پر اپنی "تاریخ الرسل والملوک" میں الطبری کاربند رہا ہے۔ شاذ ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔

الطبری کے اس طریقے سے ریسرچ کرنے والوں اور مآخذ اصلی سے رجوع کرنے والوں کو بہت گھاٹا رہا کیوں کہ طریقۂ اسناد میں جہاں کچھ خوبیاں ہیں، چند برائیاں بھی ہیں، چنانچہ بہت سے مشائخ جن کا الطبری نے اپنے اسانید میں ذکر کیا ہے، ان کی کئی کتابیں ہیں، یہ پتا نہیں چلتا کہ اُن کی کون سی کتاب سے اُن کا قول نقل ہوا ہے۔ پھر کتابوں کے نام چھوڑ جانے سے علم کا بھی نقصانِ عظیم ہوا ہے، کیوں کہ اس طرح ہم اس قیمتی علمی سرمائے سے محروم رہ گئے، اگر وہ نام بتا دیتا تو یہ ممکن تھا کہ اس سے ہمیں اُن مخطوطات کی کھوج میں مدد ملتی، اور اس میراث علمی سے زیادہ واقف ہو جاتے جو ہمارے لئے ثقافت عربی نے چھوڑی تھی، اب تو جن کتابوں کے نام ہم جانتے ہیں وہ اُن کتابوں کی نسبت تعداد میں بہت ہی قلیل ہیں جن کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے، اور جو مفقود ہو گئیں۔

طریق جمع الاصول چوں کہ صدر اسلام کی تاریخ دوسرے ادوار کے مقابلے میں زیادہ حسّاس تھی، اور اس میں

---

[1] الفہرست ص ۱۶۳، ان کے بارے میں کسی مناسب محل پر بیان ہوگا۔ "انھوں نے تاریخ البصرہ لکھی تھی" الوفیات ۱/۴۷۸ الشذرات ۲/۱۴۶۔

[2] الطبری ۶/۱۶۶ (الطبعۃ المصریہ) "کتاب البصرہ" "کتاب الکوفہ" "کتاب المدینہ" "کتاب مکہ" "کتاب امراء البصرہ" وغیرہ ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ الفہرست ص ۱۶۳۔

ایسی روایات کی بھرمار ہے جنھیں راویوں کے ذہنی رجحان، یا وقتی سیاست، یا نقطۂ نظر اور فہم کے اختلاف نے پیدا کیا ہے۔ تاریخ کا یہ حصہ نزاع و اختلاف کا گڑھ بن گیا ہے، الطبری کے لئے جو ایک غیر جانب دار مؤرخ تھا۔ یہ ناگزیر ہوا کہ وہ "جمع الاصول" کے طریقے کا اتباع کرے۔ اور ان روایتوں کو ایک جگہ جمع کردے پھر ان کی تدوین ایسی صورت میں کردے کہ اسناد کے رجال پر اُن کی ذمہ داری راجع ہونے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ اس نے ہر روایت الف سے ی تک ویسے ہی پیش کردی ہے۔ جس صورت میں اُسے اپنے شیخ سے پہنچی تھی۔ پھر دوسری روایت جس صورت میں پہنچی اُس نے بیان کردی، اسی طرح تیسری روایت نفسِ حادثہ کے بارے میں جیسی تھی داخلِ کتاب کرلی وعلیٰ ہذا۔ روایات کے اس طرح جمع کرنے سے قاری کو ایک واضح فکری راستہ مل جاتا ہے جس سے وہ اُن نقطہ ہائے نظر کا اختلاف سمجھ سکے جو ایک ہی حادثہ کے سلسلہ میں پیش آتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہوجاتا ہے کہ وہ ان مختلف آراء میں موازنہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دے، سکے اور نفسِ موضوع کے بارے میں ایجابی نظر پیدا کرسکے۔ اگرچہ الطبری خود اس راستے پر نہیں چلا، بلکہ وہ تو صرف حدیث کی روایت کردیتا ہے اور اسے اس کے محدث سے منسوب کردیتا ہے، لیکن جب وہ کسی مختلف فیہ موضوع پر آتا ہے تو درمیان میں اختلافِ نظر کا بیان بھی کردیتا ہے، مثلاً ان لفظوں میں اختلاف کی طرف اشارہ کرے گا: "مگر فلاں نے اس قول کے خلاف یہ بات کہی، اس نے کہا ......" یا "مگر فلاں یہ کہتا ہے" یا "اس نے اس سے مختلف بات کہی، جو فلاں شخص نے مجھ سے بیان کی تھی ......" یا "لیکن الکلبی محمد بن السائب کہتا ہے جو مجھ سے الحارث بن محمد سے محمد بن سعد نے اس سے ہشام نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے کہا ......" یا "ابو اسحٰق نے کہا ہم سے فلاں نے بہ روایت فلاں یہ کہا ......"

پھر الطبری اختلافی مقامات میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس سے نمٹتا ہے۔ تو پھر متن کی طرف لوٹ جاتا ہے، جہاں سے بات قطع کی تھی پھر عبارت کو کسی ایسے اشارے سے شروع کرتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اب نئے سرے سے ابتدا کر رہا ہے، مثلاً کہے گا: "یہ حدیث فلاں حدیث کی طرف راجع ہے ......" وہ اکثر متون کو ایک دوسرے میں ملا دیتا ہے اور روایات کو گڈمڈ کردیتا ہے، پھر بعد میں اس کا اقرار کرلیتا ہے: "دخل حدیث بعضھم فی بعض ......" اس طریقے سے پڑھنے والا بہت اُلجھ جاتا ہے اور اصلی

حادثے کو بھول جاتا ہے اس کا ذہن اصل سے ہٹ کر فروع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایسا مغالطہ الطبری نے متعدد جگہ پیدا کیا ہے، اس نے ضمنی مسائل کی طرف اپنی توجہ بہت زیادہ ملحوظ رکھی ہے یا اُن اشخاص کی طرف جن کا نفسِ روایت سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے؛ اور جن باتوں کی تشریح کرنی چاہئے تھی اُن سے آنکھ بچاتا ہے، اور اُن چیزوں کو بھول جاتا ہے جن کا صُلبِ موضوع سے براہِ راست علاقہ تھا — لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ الطبری نے جدید روایات کے فراہم کرنے اور ترتیب دینے میں جس شوق وحرص کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا اعتراف کرنا بھی واجب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حادثے کے بارے میں بہت سی روایات فراہم کرنے کا شوقین تھا، اب ان میں کبھی وہ ایک کو دوسری سے پہلے جگہ دیتا ہے، کبھی روایاتِ واردہ کے مشترک مفہوم میں تطابق پیدا کر کے ایک روایت بنا لیتا ہے۔[1]

---

[1] الطبری ۱/۱۵۶۵ (طبعۃ لیدن) — SCHWALLY. 2, P 140 —

دارالعلوم دیوبند کا عربی ترجمان

سہ ماہی مجلہ "دعوۃ الحق" دیوبند

"دارالعلوم دیوبند" ملت کا وہ عظیم الشان مذہبی علمی اور ثقافتی مرکز ہے جس پر برِصغیر کے مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے مدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس مرکزی آواز عالمِ اسلام تک پہنچائی جائے اور اس کے فکر و مسلک کو اس کی اپنی روایات کی روشنی میں عرب ممالک سے متعارف کرایا جائے۔

چنانچہ علماءِ مصر و شام کے اصرار اور فضلاءِ دیوبند کی قدیم خواہش کی بنا پر "دعوۃ الحق" کے نام سے عربی کے ایک سہ ماہی مجلہ کا اجرا کیا گیا ہے۔ جس میں اکابرِ دیوبند کے علوم اور ان کی تحقیقات عربی کے قالب میں پیش کی جائیں گی۔ نیز وقت کے اہم موضوعات پر بصیرت افروز مضامین کے علاوہ دنیائے اسلام کے ممتاز اربابِ قلم کے علمی و دینی مقالات بھی شاملِ اشاعت ہوں گے۔

شوال ۱۳۸۴ھ میں پہلا شمارہ منظرِ عام پر آچکا ہے جس نے اپنی طرزِ کتابت، حسنِ طباعت، عمدگیٔ مضامین اور جاذبِ نظر سرورق کی بنا پر ملک کے اربابِ ذوق و اہلِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

سال کے چار شماروں کے لئے زرِ اشتراک مبلغ چار روپے اس پتے پر بھیجئے:-

منیجر مجلہ "دعوۃ الحق" دارالعلوم دیوبند (یوپی)